بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظــــــــرات

قومی امور میں مشاورت کیلئے پاکستان میں حال ھی میں مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ قومی سطح پر مشاورت کے طریقے کو رائج کرنا ملک میں نفاذ اسلام کے سلسلے میں ایک اور اھم اقدام ہے۔ قرآن کریم میں مشاورت کو مومنوں کے اوصاف میں شمار کیا گیا ہے۔ امور زندگی کے تصفیئے کیلئے مشاورت دراصل ایک انسانی ضرورت ہے۔ روزمرہ کا مشاھدہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مسئلہ درپیش ھوتا ہے تو قدرتی طور پر اس کی یہی خواھش ھوتی ہے کہ وہ اس کو بہترین انداز سے حل کرے۔ لیکن ایسا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ھوتا جب تک اس مسئلے کے اچھے اور برے تمام پہلو سامنے نہ آ جائیں۔ چونکہ ایک ھی انسان کو ھر قسم کے حالات سے سابقہ نہیں پڑتا اور اسے ھر طرح کے تجربات حاصل نہیں ھوتے اور نہ ھی اس کو ھر مسئلے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ھوتی ھیں ، اس لئے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ بہت سے لوگ مل بیٹھ کر اپنی معلومات اور تجربات کی روشنی میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں اور اس جائزے کی روشنی میں اپنی کوئی حتمی رائے قائم کریں۔ امیر ریاست کی اجتماعی ذمہ داری چونکہ عام لوگوں کی انفرادی یا اجتماعی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ بھاری اور اھم ھوتی ہے اس لئے اس کو

مشورہ کی ضرورت بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں جن کا تعلق خواہ نجی اور گھریلو زندگی سے ہوتا یا قومی زندگی سے آپ شوریٰ طلب فرماتے تھے۔ آپ شوریٰ کے سلسلے میں نہایت گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مشورے کیلئے یہ گرمجوشی اور سرگرمی یقیناً اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل کیلئے ہوتی تھی۔ جب حضورؐ کی پاکدامن رفیقہ حیات پر بہتان لگایا گیا تو آپ نے اپنی گھریلو زندگی کے اس مخصوص معاملے میں بھی حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ اور عام مسلمانوں سے مشورہ فرمایا۔ ٦ ھ میں جب آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ کا قصد کیا تو سفر حدیبیہ کے متعلق شوریٰ طلب کیا اور اس کے بعد سفر کا عزم فرمایا۔ اسی طرح بہت سے اور واقعات ہیں جن کو آپ نے شوری کے بعد انجام دیا۔ ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاملات شخصی ہوں یا خاندانی یا قومی ہر صورت میں شوری کو اہمیت حاصل ہے۔

قرآن کریم میں مسائل زندگی کے حل کیلئے جن مراحل کا ذکر ہے ان میں پہلا مرحلہ شوریٰ ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ :

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

(معاملات میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کریں پھر جب عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔)

اس آیت میں کسی معاملے کے تصفیئے اور اسکے واسطے عملی اقدام کیلئے تین مراحل بتائے گئے ہیں۔ پہلا مرحلہ مشورہ ، دوسرا مشورے کی روشنی میں عزم یعنی قطعی فیصلہ اور تیسرا اللہ پر بھروسہ (نہ کہ اپنی رائے یا دوسروں کے مشورے پر)۔ یہاں عزم کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشورے کی روشنی میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا صاحب معاملہ کی یعنی اس شخص کی صوابدید اور طمانیت قلب پر موقوف ہے جو اس معاملے کا ذمہ دار ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جو شخص معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کیلئے جس قدر سنجیدگی ، ذمہ داری اور دلچسپی کے ساتھ اس کا اہتمام کر سکتا ہے اتنا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر صاحب معاملہ دل سے کسی بات پر مطمئن ہو تو وہ اس پر عمل کیلئے نئے نئے طریقے نکال لیتا ہے لیکن اگر وہ خود ہی مطمئن نہ ہو تو پھر بے دلی سے عمل کرتا ہے جو یقیناً موثر نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ مختلف لوگوں کی آراء مختلف ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں صاحب معاملہ کس کی رائے کو قبول کرے۔ مخصوص مشیروں کی اکثریت کا ایک رائے پر اتفاق بھی صاحب معاملہ کیلئے اس رائے پر عمل ضروری قرار نہیں دیتا کیونکہ وہ اگر چند اور لوگوں سے مشورہ کرے جو کہ وہ کر سکتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے۔ ایسی صورت میں صاحب معاملہ کونسی اکثریت کی رائے کو مانے اور کس کا انکار کرے۔

حضرت عمرؓ کے عہد کے ایک واقعہ سے مشیروں کی تبدیلی اور مختلف مشیروں سے مختلف آراء کے اظہار اور پھر ان کے اپنے شرح صدر کے مطابق فیصلے کی شہادت ملتی ہے۔ آپ جب شام کی طرف روانہ ہوئے تو شام کے حکام اور سردار ان سے راستے ہی میں آملے اور بتایا کہ شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا۔ لیکن ان میں اختلاف رائے ہوا۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایک اسلامی کام کیلئے نکلے ہیں اس لئے اس

کو چھوڑ کر واپس ھونا مناسب نہیں ـ بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ اللہ کی ایک عظیم مخلوق اور تمام صحابہ کا جتھا ہے یہ مناسب نہیں کہ آپ ان سب کو وبا میں ڈالیں ـ خلیفۂ وقت نے یہ دونوں رائیں سن کر ان کی قلت و کثرت کو نہیں دیکھا اور سب کو رخصت کر دیا ـ پھر انصار سے مشورہ کیا ـ ان میں بھی اختلاف رائے ہوا اور ان کو بھی رخصت کر دیا ـ اس کے بعد ان معمر قریشی مہاجرین سے مشورہ لیا گیا جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے ھجرت کی تھی ـ سب نے یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو یہ رائے دی کہ واپس لوٹ جائیں اور اللہ کی مخلوق کو وبا میں نہ ڈالیں ـ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو قبول فرما لیا ـ اس واقعے سے ظاھر ھوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نہ تو مشورے کو کسی ایک گروہ میں محدود کیا اور نہ آراء کی قلت و کثرت پر نظر کی بلکہ جب تک کسی بات پر اطمینان نہ ہو گیا آپ مجلس شوریٰ کو بدلتے رہے ـ پھر جب مسئلے کے تمام پہلو سامنے آنے کے بعد ایک رائے پر اطمینان ہو گیا تو آپ نے اس کے مطابق حکم صادر فرما دیا ـ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت کے ایک واقعہ سے ظاھرھوتا ہے کہ اگر مجلس شوریٰ کے تمام ارکان بھی کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں تب بھی صاحب معاملہ کی ذمہ داری اور فرض شناسی کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ جس بات کو مناسب سمجھے اسے اختیار کرے ـ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مدینے میں نفاق پھیل گیا اور عرب مرتد ہونے لگے ـ ادھر عجم میں بھی یہی زھریلی ھوا پھیل گئی اور وہ مرتد ہو کر مقابلے کی دھمکیاں دینے لگے ـ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیق نے مہاجرین و انصار کو یہ صورت حال بتا کر کہ عرب نے زکوۃ ادا

کرنی بند کر دی ہے اور عجم مقابلے کیلئے آمادہ ھیں ۔ آئندہ کارروائی کیلئے مشورہ طلب کیا ۔ سب کی متفقہ رائے یہ ھوئی کہ فی الحال چونکہ مقابلہ کرنا مشکل ہے اس لئے ان کی نماز کو ھی غنیمت سمجھا جائے ۔ یہ متفقہ رائے سننے کے بعد خلیفہ وقت نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوۃ دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو وہ ان سے جہاد کرینگے خواہ وہ کتنے ھی طاقتور کیوں نہ ھوں کیونکہ اللہ تعالے نے نماز اور زکوۃ میں فرق نہیں فرمایا بلکہ دونوں کو ایک ھی سلسلے میں ذکر فرمایا ہے ۔ خلیفہ وقت کا یہ عزم سنکر حضرت عمرؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب تھا کہ اللہ نے حضرت ابوبکر کو مطمئن کر دیا ہے اس کے وہ بھی دل سے قائل ھو گئے ھیں ۔اس واقعہ میں چونکہ خلیفہ وقت کو مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے پر بھی اطمینان حاصل نہیں ھوا اس لئے آپ نے اس کو رد کر دیا ۔

اسلام نے شوریٰ کا اصول تو بیان کیا اور اس کا حکم بھی دیا مگر مجلس شوریٰ کی نوعیت اور اس کی تشکیل کے مسئلے کو خود مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کو اپنے حالات اور ضرورت کے مطابق خود طے کر لیں ۔ ۱ھ سے ۳۵ ھ تک شوریٰ نے جس طرح کام کیا اس سے مندرجہ ذیل صورتیں منظر عام پر آتی ھیں ۔

۱۔ **عمومی اجلاس** ۔ جو رائے عامہ کے مطالبہ پر منعقد ھوتا ہے اس کی مثال مدینے کے مہاجرین و انصار کا وہ اجلاس ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں ثقیفۂ بنی ساعدہ میں منعقد ھوا تاکہ مشورے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جا سکے ۔

۲۔ **باضابطہ رسمی اجلاس** ۔ جو امیر ریاست کی طرف سے کسی اھم معاملہ کو پیش کرنے کیلئے طلب کیا جاتا ہے ۔ اس کی مثال شوریٰ کے

وہ اجلاس ھیں جو حضور نے بدر کے قیدیوں اور سفر حدیبیہ کے سلسلے میں منعقد کئے ۔

۳۔ **مشورہ جماعت** ۔ اس صورت میں چند افراد ھم رائے ھو کر بطور خود امیر ریاست سے ملتے ھیں اور اپنا مشورہ پیش کرتے ھیں ۔ اس کی مثال وہ مشورہ ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا ۔

۴ ۔ **مشورہ فرد** ۔ جماعت کا ایک فرد اپنی نمایاں قابلیت کی بنا پر امیر اور عوام کو مشورہ دیتا ہے جیسے غزوہ خندق کے موقعہ پر حضرت سلمان فارسی نے مدینے کے باھر خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا ۔

۵ ۔ **نمائندہ اسمبلی** ۔ اس صورت میں بڑی بڑی قوموں کے نمائندے حکومت کے زیر اثر جمع ھو کر کسی مسئلہ پر رائے دیتے ھیں چنانچہ ھوازن کے چھ ھزار جنگی قیدیوں کے متعلق اس قسم کا اجلاس طلب کیا گیا تھا ۔

٦ ۔ **شوریٰ اھل حل وعقد** ۔ امیر ریاست مشیروں اور مدبروں کی محدود مجلس مقرر کرتا ہے ۔ اس کے نامزد ارکان مقررہ مقصد کا فیصلہ مشورے سے کرتے ھیں ۔ اس کی مثال چھ صحابہ کی وہ مجلس شوری ہے جو حضرت عمرؓ نے اس مقصد کیلئے تشکیل دی کہ خلیفۂ سوم کا انتخاب ھو سکے ۔

ظاھر ہے کہ کسی مسئلے کے متعلق مشورہ انہیں لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جو اس پر عبور رکھتےھوں مثلاً تعمیرکے بارے میں انجینئرسے صحت کے مسائل میں ڈاکٹر سے اور دینی امور میں عالم دین سے ھی رجوع کیا

جا سکتا ہے لیکن ان کے متعلقہ پہلوؤں پر بعض دوسرے حضرات بھی اظہار رائے کر سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ مشورہ انہیں لوگوں سے لیا جا سکتا ہے جو ہمدرد ، خیر خواہ اور متقی ہوں ۔ خود غرض ، متعصب اور مفاد پرست نہ ہوں ورنہ مشورے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے ۔

اگرکسی شخص سے مشورہ طلب کیاجائے تواس کیلئے مشورہ دینا ضروری ہو جاتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جماعت کا کوئی فرد اپنے بھائی سے مشورہ کرے تو مشورہ دینا اس کی ذمہ داری میں داخل ہو جاتا ہے ۔ مشورہ دینے والے کی یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ مشورہ کے سلسلے میں پوری دیانتداری سے کام لے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانتدار ہوتا ہے ۔ مشورے میں امانتداری کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علم کے مطابق جو بہترین بات سمجھ میں آئے اس کا اظہار کر دیا جائے ۔ کسی تعصب ، خود غرضی ، مفاد پرستی یا بغض و عناد اور حسد وغیرہ کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف رائے نہ دی جائے ۔ دیانتداری کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ جس معاملے کے بارے میں مشورہ کیا گیا ہو اسے راز سمجھا جائے اور مشورہ لینے والے کی اجازت کے بغیر اسے کسی پر ظاہر نہ کیا جائے ۔

مشاورت کی جو مثالیں اب تک بیان کی گئیں ان سے یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ رائے عامہ کا کسقدر احترام فرماتے تھے اور آپ کو آزادئ ضمیر اور آزادئ اظہار رائے کا کسقدر خیال اور اہتمام تھا ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کے متقی، مخلص اور قابل افراد کی رائے کو اس قدر اہمیت دی جاتی تھی تو اس سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں کہ اجتماعی امور میں شوریٰ کی روشنی میں فیصلہ کرنا کسی جماعت اور کسی ریاست کے امیر کیلئے کتنا اہم اور

ضروری ہے ۔

مشاورت انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جو ہمیشہ رہے گی اور ہر شخص کے لئے رہے گی ۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شوریٰ کیلئے مامور تھے اور معاملات حکومت میں شوریٰ کو اہمیت دیتے تھے تو دنیا میں اب کبھی ایسا شخص پیدا نہیں ہو سکتا جو شوریٰ کی پابندی سے آزاد ہو ، لیکن شوریٰ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مشورہ لینے اور مشورہ دینے والا دونوں مخلص ہوں اور ان کی واقعی نیت یہ ہو کہ مشاورت کے ذریعے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچیں اور اس کے مطابق عمل کریں ۔ اگر انفرادی اور اجتماعی امور میں مشاورت کے موقعہ پر یہ صورت حال موجود ہو تو افراد اور اقوام کیلئے اس کی برکات یقیناً ظاہر ہو کر رہیں گی ۔

مدیر